[illegible]

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر:- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڑھ - ۸ جون ۱۹۵۷ء | شمارہ ۲۲

میسور اور اردو

رفعت زہرہ

۱۰ مئی ۱۹۵۷ء کے ہماری زبان میں آپ نے جنوبی ادب اردو کے بارے میں لکھتے ہوئے مدراس اور میسور کا بھی ذکر کیا ہے۔ میسور سے اردو کا ربط بہت قدیم ہے۔ سلطنت خداداد سے بھی پہلے اس کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ ترجمہ سراج القلوب ۱۱۵۰ھ (مطبوعہ) اور ہزار مسائل ۱۱۰۰ھ (ایک قلمی مخطوطہ، مصنف محمد علی بن محمد حسینی) عہد حیدر علی کے پہلے کی کتابیں ہیں۔ مرآۃ الاسرار (مصنفہ حضرت خواجہ سید شاہ قادری) بانی سلطنت خداداد کی ولادت ۱۱۳۳ھ سے ایک سال پہلے ۱۱۳۲ھ میں لکھی گئی۔ عہد دولت خداداد (۱۷۶۱ء تا ۱۷۹۹ء) میں جناب بانئ سلطنت، سید حسین علی حاکم، ماسی، قادم، کمال الدین شاد، حضرت شمیر، محمد سعید بیکسی، فقیر شہباز، محمود خان شیدائی، شاکر، زین العابدین (مصنف فتح المجاہدین) حسن علی عزت، عزیب، محمد اسحاق ناشاد، عابد، محمد مخدوم، محمد حسین، مفتی محمد اسلم، نوشاد خان، میر مخدوم علی، بدالزماں خان، مولوی عبدالصمد، سید عبدالقادر زینت وغیرہ۔ عہد راجگان میں (۱۷۹۹ء تا ۱۹۴۷ء) میر حیات، شاہ عبدالحئی، لطیف، عابد، نسیم، فن، ماہر، جمیل، تحقیق، آرام، ولی، جاوید، کلیم، مقبل، شہاب، الکمی، آثم، سعید، مولوی احمد، شوکت، صابر، طالب، ولی، نائم، محمود، ممکش، امیر، راجی، حمید، باقی، سالم وغیرہ۔ دور جدید میں محمود خاں محمود، شہاب الدین ادیب، نفیس، سہیل، محمد ایاز، رفعت، ستائش، محمود شریف، نقاد، سلیم تمنائی، احمد شاہین، ممتاز شیریں، عصمت عذرا، آمنہ خاتون، محمد خاں، نعیم اقبال، حفیظ، شاہد، منیر، کلیم، تپش، نقش، شعلہ، محمود تسنیم، زبیدہ نسرین، شہاب نیزوانی، مصری، فدا، کوثری، علیم نیناوی، مظہر امید، شاہ علی، تمکین، محمود علی بادشاہ، سرفرش، گوہر، میرہ حسینی، تجمل حسین، م۔ح، عادل، حمید قیصر، ذاکی، ماؤ آنند وغیرہ اچھے ادیب و شاعر ہیں۔ ان میں کئی صاحب دیوان و تصنیف بھی ہیں۔ اکثر قدیم کتابیں نایاب یا مفقود ہیں، چونکہ آج تک کوئی تذکرہ نہیں لکھا گیا جس کے سبب اکثر ان ادبا و شعرا کے نام مٹتے جا رہے ہیں۔

عہد سلطنت خداداد میں دکھنی اردو کا رواج تھا۔ کئی مشہور کتابیں اسی میں لکھی گئیں۔ عہد راجگان میں بھی کچھ عرصے دکھنی جاری و ساری رہی۔ مگر بعد میں شمالی ہند کا اثر غالب آ گیا۔ اور دکھنی زبان کی حیثیت صرف بولی کی رہ گئی۔ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً ۱۸۹۳ء میں ایک ہفتہ وار اخبار "نوی اخبار" سرنگا پٹم سے نکلا کرتا تھا۔ قاسم الاخبار ۱۸۹۵ء، امین الاخبار ۱۸۹۶ء، دستور ۱۸۹۸ء، صبح بہار ۱۹۰۰ء، ایادہ گزٹ ۱۹۰۱ء وغیرہ۔ موجودہ دور میں نقاد (مدیر سہیل) نیا دور (مدیر احمد شاہین)، فانوس (مدیر عزیز)، ترقی (مدیر سہیل)، اجل (مدیر شہاب)، جھلک (مجاہد)، میسور سوشیل (ابوالسعدی)، انجمن (سلیم تمنائی)، پاسبان (ستائش)، آزاد (رفعت)، مجبور (احمد اللہ خان)، الکلام (غوث محی الدین) وغیرہ مشہور رسائل و اخبار ہیں۔

محمد سعید حافی نے "میسور میں اردو" کے نام سے پہلی کتاب لکھی۔ چند غلطیوں کے باوجود میسور کی اردو تاریخ کی عمارت کی ایک خشت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور محمد خاں صاحب نے اپنے اکثر مضامین میں اپنی زیر ترتیب تصنیف "سخنوران میسور" کا ذکر کیا کہ کئی دس سال سے لکھ رہے ہیں اس بات کی۔ انجمن اشاعت اردو میسور بھی یہ نیک ارادہ رکھتی ہے۔ اگر اس کے مخلص اراکین ذرا سی کوشش کریں تو یہ کام بخوبی ہو سکتا ہے۔ محمود خاں صاحب محمود کی کتاب "آخری معرکہ" چھپ رہی ہے۔ جس میں عہد سلطنت خداداد کی کچھ نادر کتابوں کا ذکر کیا جائے گا۔ تذکرہ گلزار اعظم (مصنفہ غلام غوث خاں اعظم) ترتیب کرتا ہے، یہاں کچھ میسوریوں کا ذکر آگیا ہے۔ باقی وغیرہ کو مدراسی شعرا میں شمار کر دیا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی صاحب نے بھی اپنی تصنیف "مدراس میں اردو" میں باقی، حاکم وغیرہ کو

مدراسی شعراء میں شامل کردیا ہے۔ سلطنت خداداد کی تباہی کے بعد بیسیوں ادیبوں نے گوشۂ گمنامی کو اختیار کرلیا۔ سالار جنگ اول اور ایل بی بورنگ کے اصرار پر کچھ حیدرآباد چلے گئے۔

حاصل کلام میسور میں اردو جاری وساری رہی ہے۔ اس طرح اس کو اردو تاریخ سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے امید ہے کہ مرتبین وسعت قلب سے کام لے کر مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کی اردو تاریخ مرتب کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ ان علاقوں کے ایسے حضرات سے تعاون حاصل کیجئے جو شہرت کے بھوکے نہ ہوں بلکہ ان کے قلب ودماغ کی وسعت کا یہ عالم ہو کہ دشمن کی خوبیوں کو بھی بہ دل وجان سراہیں۔ انجمن اشاعت اردو میسور اور ڈاکٹر عبدالحق صاحب مدراس ممد معاون ہوسکتے ہیں۔ انجمن اشاعت اردو میسور کے ارباب حل وعقد اپنے دس سالہ ادارے کو انجمن ترقی اردو علی گڑھ کی شاخ میں بدلنے کی سوچ رہے ہیں۔ یہ نیک اقدام ہے۔

یادش بخیر، ایک جامع اردو لغت کی ضرورت تھی اور یہ کام انجمن ترقی اردو علی گڑھ نے اپنے سر لیا ہے اور امید تو یہ ہے کہ بہت جلد سہرا نصیب ہوگا۔ ہندوستان میں صوبۂ دکن ہی میں صوفیائے کرام اور علم دوست بادشاہوں کے ہاتھوں تصنیف وتالیف کے داغ بیل پڑی۔ دکنی اردو کا بول بالا رہا۔ اردو ادب کا کوئی طالب علم اور محقق ان سے آنکھیں چرا نہیں سکتا۔ لیکن ان کو سمجھنے کے لیے دکنی مزاج اور دکھنی الفاظ سے بھی آشنا ہونا ضروری ہے۔ آج تک جہاں تک میرا خیال ہے کسی لغت نگار نے دکنی اردو کو قابل توجہ نہیں سمجھا ہے (حیدرآباد سے پاکٹ سائز کی ایک دکنی لغات شائع ہوئی تھی) آج کل ہندی والوں کی اس طرف توجہ ہو رہی ہے اور وہ دکنی اردو کو دکھنی ہندی کا نام بخش رہے ہیں۔ محمود بحری، شاہ برہان الدین جانم، وجہی، ابن نشاطی وغیرہ کی تصنیفات کو ہندی یا دکھنی ہندی کا نام دیا جارہا ہے۔ بابو رام سکسینہ نے اپنی کتاب "دکھنی ہندی" میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جنوب میں دکھنی اردو نہیں بلکہ دکھنی ہندی بولی جاتی ہے۔ دکن خاص کر میسور اور مدراس کے اہل علم حضرات کا آپسی پن اور آپسی رقابتیں اور شمالی ہند کے تذکرہ نویسوں کی لاعلمی وغیرہ نے ہندی والوں کو یہ شہ دی ہے کہ وہ مغربی ہندی اور جنوبی یا دکنی ہندی کا پرچار کریں۔ اب آپ جیسے وسیع دل ودماغ رکھنے والے حضرات کا فرض ہے کہ جامع لغات کو ہر طرح جامع بنانے کے لیے دکھنی الفاظ سے روگردانی نہ کریں۔

اردو رسم خط میں اعراب اور مشق کے بغیر صحیح تلفظ پڑھا نہیں جاتا۔ اعراب کا ہونا ضروری ہے یا دوسری صورت فارسی کی غیاث اللغات وغیرہ کی ہوسکتی ہے۔ سند میں اشعار پیش کرنے کی رسم چلی ہے۔

(تذکیر وتانیث کے سلسلہ میں یہ چیز زیادہ مفید ہوسکتی ہے) معمولی پڑھے لکھے لوگوں کو کچھ پتہ نہ پڑے گا۔ آج کل سنسکرت، انگریزی اور دوسری زبانوں کے الفاظ بھی ہماری زبان میں رچ بس گئے ہیں جس طرح دوسری زبانوں میں اردو کے الفاظ۔ کنڑی زبان میں تک ہزاروں الفاظ بغیر تصرف کے ملتے ہیں۔ ڈکشنری پر اردو کا اچھا مضمون سلیم تمنائی۔ کائنات۔ قومی آواز کراچی) لغات دبیل ساطع سے بھی کچھ مدد مل سکتی ہے۔ سنسکرت اور ہندی کے کئی ہزار الفاظ پر مشتمل فارسی میں لکھی گئی ہے۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو "اردو ہندی لغات" کی صورت میں پورا کیا ہے۔ ضرورت "ہندی اردو" لغات کی بھی ہے۔ ویسے محترم امام الدین صاحب دو مختصر لغات شائع کرچکے ہیں۔ لیکن اس جامع لغت کی ضرورت تھی اور یہ کام صرف آپ کی انجمن ہی کرسکتی ہے دبیل ساطع اس صورت میں بھی ممد معاون ہوسکتی ہے۔

بہت دن پہلے شاید اردو ادب لاہور (مرتب محمد حسن عسکری) میں میں نے ایک مضمون پڑھا تھا جن میں کچھ ایسے محاورات کا ذکر تھا جو ہماری زبان سے دور ہوتے جارہے ہیں لغات میں ان محاوروں کا جگہ پانا بھی ضروری ہے۔

دہلی اور لکھنؤ دونوں کو مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے اس لیے "تلفظ، املا، قانون، محاورات، تذکیر وتانیث اور دیگر کئی لوازمات زبان سند کی صورت اختیار کرگئے ہیں۔ دلی اور لکھنؤ کے جن الفاظ میں انیس، بیس کا فرق ہے (اختلاف تلفظ وغیرہ) اور جن ہم معنی الفاظ کا املا تک بدل گیا ہے (ڈھکیلنا۔ ڈھلیکنا مروڑ۔ مروڑ۔ ٹھہرنا۔ ٹھیرنا۔ تھم۔ کھم۔ اندھیارا۔ اندھیرا وغیرہ اور اختلاف محاورہ جیسے آئے ہائے تباہ (دلی) ہائے ہائے تباہ (لکھنؤ وغیرہ) ان کو بھی واضح کیا جائے۔

ہماری زبان

۸- جون ۱۹۵۷ء

ہندوستان میں اُردو کی تحریک

تقریباً سال بھر سے "ہماری زبان" میں، ہم اردو کی تحریک کے متعلق اظہار خیال کر رہے ہیں۔ ہمارے یہ خیالات دوسرے اخباروں میں بھی اکثر نقل کئے گئے ہیں اور ان کی تائید میں خطوط بھی موصول ہوئے ہیں۔ اب چونکہ انجمن ترقی اردو کی کانفرنس ۲۰، ۲۱ جولائی کو ہونے والی ہے، اس لئے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ مختصر طور پر انھیں دہرا دیں تاکہ کانفرنس کے موقع پر جبکہ شاخوں کے نمائندوں اور اردو کے ادیبوں اور کارکنوں کا اجتماع ہوگا ہم کسی فیصلے پر پہنچ سکیں اور جو انتشار ذہنی بعض اوقات اس مسئلے پر بحث میں نظر آتا ہے وہ ختم ہو۔

پہلی بات جو ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اردو والے ہر جگہ بیدار ہیں اور اپنے مطالبات ملک کے سامنے پیش کر رہے ہیں لیکن ابھی تک ان مطالبات کی صحت کے اعتراف کے باوجود ارباب حل و عقد نے ان کے پورا کرنے کی قرار واقعی کوشش نہیں کی۔

اترپردیش، دہلی اور بہار میں اردو کو علاقائی زبان منوانے کے لئے جدوجہد ہوئی۔ اترپردیش میں ایک تاریخی مہم چلائی گئی اور بیس لاکھ بالغوں کے دستخط فراہم کئے گئے۔ پھر صدر کے پاس ایک نمائندہ وفد ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں گیا۔ صدر نے مطالبات سے ہمدردی ظاہر کی مگر نتیجہ صفر رہا۔ بہار کا وفد بھی صدر سے ملا اور وہاں بھی بات زبانی ہمدردی پر ٹل گئی۔ دہلی میں وہاں کے اردو دوستوں نے اردو کو بھی سرکاری زبان منوانے کے لئے جو کوشش کی وہ ابتدائی مراحل میں کامیاب ہوئی۔ مگر آخری فیصلے کا ابھی تک انتظار ہے۔ انجمن کی شاخ کے کارکنوں نے ہر منزل پر ارباب حل و عقد کو اپنے مطالبات کی طرف توجہ دلائی، وہ ایک ایک کر کے تمام متعلقہ افسروں سے ملے، مگر وہاں بھی کامیابی ہاتھ نہ آئی۔ اترپردیش میں انجمن ترقی اردو کی کوشش سے متعدد ابتدائی مدرسوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام ہوا مگر یہ انتظام ابھی تک نہایت ناکافی اور غیر تسلی بخش ہے۔ پارلیمنٹ نے لسانی اقلیتوں کے لئے بعض سہولتیں فراہم کرنے کی تجویز منظور کی ہے مگر ابھی تک ریاستی حکومتوں نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کیا ہے۔ مرکزی حکومت نے ابھی لسانی اقلیتوں کا کمشنر بھی مقرر نہیں کیا۔ متعدد مقامات سے یہ اطلاعات موصول ہوتی رہتی ہیں کہ معقول تعداد میں درخواستیں دی جاتی ہیں مگر اردو کی تعلیم کا انتظام نہیں ہوتا اور عام طور پر ٹال مٹول کر دی جاتی ہے۔ یعنی باوجود اس کے کہ پچھلے چند سالوں میں اردو زبان کی طرف سے تعصب کم ہوا ہے اسے سنجیدہ حلقوں میں ہندوستان کی قومی زبانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے شاندار ادبی سرمائے پر فخر ہوتا ہے۔ اردو کے اچھے شاعروں کا اعتراف کیا جاتا ہے، کچھ ادیبوں کو ریڈیو یا دوسرے سرکاری اداروں میں بھی لیا گیا ہے۔ اچھے اچھے مشاعرے بھی ہوتے ہیں مگر عملی حیثیت سے زبان کی حفاظت اور بقا کا اہتمام نہیں ہے اور اس فریضے سے ایسی غفلت برتی جا رہی ہے جو نہایت تشویشناک ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس حالت میں اردو والے کیا کریں۔ اُن کے مطالبے چونکہ جائز اور منصفانہ ہیں اس لئے وہ ان سے دست بردار نہیں ہو سکتے اور جب تک ان کے مطالبے پورے نہیں ہوتے وہ اس ولولے، جوش اور خلوص سے سماج کی تعمیر کے کام میں حصہ نہیں لے سکتے جس کی ان سے توقع ہے۔ اس لئے ان کی بے اطمینانی اور بے دلی، ملک کے لئے نقصان دہ ہے۔ ایک بڑا اور اہم طبقہ اگر غیر مطمئن اور بے دل رہتا ہے تو پورے ملک کی ترقی رک جاتی ہے۔ حکومت کو اس کا احساس نہیں ہے اور اکثریت میں اگرچہ کچھ لوگ منصف مزاج ہیں مگر عام رنگ اردو کی طرف سے بے اعتنائی اور بے توجہی کا ہے۔ اس صورت میں اردو والے اگر مایوسی کا شکار ہوں تو بالکل قدرتی چیز ہے، مگر سچی بات یہ ہے کہ مایوسی سے ہمارا کچھ بنتا نہیں بگڑتا ہی ہے۔ اول تو ہم اس عالم میں تخریبی عناصر کے ہاتھوں میں کھیل سکتے ہیں اور اس طرح اپنا اور ملک کا نقصان کر سکتے ہیں، دوسرے اس کی وجہ سے ہمارا عمل کا ولولہ کم ہوتا ہے، ہم اپنے راستے پر اپنی عام رفتار سے چل نہیں سکتے۔ پھر ہم دوسروں کو بدظن کرتے ہیں اور اس طرح اردو کی مہم کو کامیاب بنانے کے بجائے اس کی ناکامی کے اسباب پیدا کرتے ہیں۔

ہمارا فرض یہ ہے کہ ان دقتوں اور دشواریوں کے باوجود، اور ان ہمت شکن حالات کے ہوتے ہوئے بھی، اپنے جائز مطالبات پر اڑے رہیں، ان کو اکثریت سے منوائیں، حکومت کو اس کا فرض یاد دلائیں اور کسی حالت میں اپنے جمہوری اور سماجی منصب سے دست بردار نہ ہوں۔

دن کے ہنگامے ہوں یا رات کی خاموشی ہو

کہنے والے کو جو کہنا ہے وہی کہتا ہے

اگلی اشاعت میں ہم اس پس منظر میں چند عملی تجاویز پیش کریں گے۔

اُردُو دُنیا

ناندیڑ کا آل انڈیا مشاعرہ

"عوام کا خلوص اردو کا محافظ ہے"

(بحوالہ سیاست حیدر آباد دکن)

جب تک اردو کی خدمت کے لئے عوام میں خلوص موجود ہے کوئی قانونی یا آئینی پابندی اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا نہیں سکتی اردو جیسی عوامی زبان جس نے عوام الناس کے آغوش میں پرورش پائی اس کو مٹانا یا اس کی اہمیت کو کم کرنا آسان بات نہیں ہے" ان خیالات کا اظہار مسٹر وی شنکر ستھ مال سیٹھی نے ناندیڑ کلب کے زیر اہتمام مشاعرہ کے موقع پر اپنی صدارتی تقریر میں کیا۔ یہ مشاعرہ کل رات کلا مندر میں ناندیڑ کلب کے زیر اہتمام منعقد کیا گیا۔ جس میں جذبی، وجد، منظر شاہجہاں پوری غلام ربانی تاباں اور ساغر اقبال کا کلام بے حد پسند کیا گیا اور یہ محفل شعر و سخن چودہ گھنٹے تک جاری رہی رات کے ۲ بجے خوشگوار فضا میں اختتام کو پہنچی۔ صدر مشاعرہ مسٹر شنکر نے اردو زبان کی ترویج و ترقی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان کی پیدائش عوام کے آغوش میں ہوئی اور جنتا کے گھرانے میں اس نے پرورش پائی۔ بمبئی کے بعض شعراء کے شرکت نہ کرنے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے مسٹر شنکر نے ان شعراء کو نازک مزاج بتایا جنھوں نے سفر ناندیڑ کو تکلیف دہ مسئلہ سمجھا۔ مشاعرہ کے بہتر انتظام پر منتظمین کو مبارکباد دیتے ہوئے مسٹر شنکر نے کہا کہ جب تک اردو سے اس قدر خلوص قائم ہے اردو دانوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صدر استقبالیہ مسٹر بی۔ آر درشن پانڈے نے میر مشاعرہ اور شعرائے کرام کا خیر مقدم کرتے ہوئے خطبۂ استقبالیہ میں کہا کہ ناندیڑ کی فضا فنون لطیفہ اور علمی اجتماعوں کے لئے سازگار نہیں ہے لیکن یہاں کلاسکی رقص و موسیقی اور تہذیبی لکچروں کے سلسلے میں نہایت شاندار جلسے ہو چکے ہیں آج کا یہ عظیم الشان مشاعرہ اسی قسم کے سلسلہ کی ایک سنہری کڑی ہے۔

اردو ہال اورنگ آباد

حیدر آباد دکن کے اردو دوستوں نے اس نازک دور میں ایک شاندار اردو ہال قائم کر کے جو شاندار مثال قائم کی ہے اب اس کی پیروی کا جذبہ بہت سے حلقوں میں پیدا ہو گیا ہے بمبئی میں بھی اسی قسم کا ایک ہال قائم کرنے کا خیال ظاہر کیا جا رہا ہے اورنگ آباد میں ایک اردو ہال جلد تعمیر کرنے کی تحریک شروع ہو گئی ہے جس کے بار آور ہونے کی بہت زیادہ توقع کی جاتی ہے

ایک ادیب کی قدردانی

ملک میں بچوں کے لکھنے والے بہت کم ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اردو میں بچوں کے لئے لکھنے والے مشہور ادیب مولوی مقبول احمد سیوہاروی کو حکومت ہند نے ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ یکم اپریل ۵۵ء سے ایک سال کے لئے جاری کیا ہے۔ مولوی صاحب کی عمر اس وقت ۷۰ برس سے متجاوز ہے اور اب تک ان کا قلم تیزی سے بچوں کے لئے نہید ٹپکا رہا ہے۔

آل انڈیا مشاعرہ

اورنگ آباد میں آل انڈیا مشاعرہ بڑے پیمانے پر کرنے کے لئے تیاریاں شروع ہو گئی ہیں توقع ہے کہ عنقریب جلد سطحوں میں شاندار مشاعرہ منعقد ہوگا۔

اُردُو کانفرنس کا پروگرام

۳-۴ جولائی ۵۵ء

بدھ۔ ۳ جولائی۔ پہلا اجلاس

۹ بجے سے ۱۲ بجے دوپہر تک ——— یونین ہال

۱۔ خطبۂ افتتاحیہ

۲۔ خطبۂ صدارت

۳۔ سکریٹری کی رپورٹ

۴۔ قراردادیں

دوسرا اجلاس، ۳ بجے سہ پہر سے ۶ بجے سہ پہر تک ——— یونین ہال

۱۔ علاقائی زبان کی تحریک کا جائزہ، اور آئندہ اقدامات پر غور

تیسرا اجلاس، ۷ بجے شام سے ۹ بجے شب تک ——— یونین ہال

۱۔ رسم خط کمیٹی کی رپورٹ پر غور

جمعرات ۴۔ جولائی۔

پہلا اجلاس، ۹ بجے صبح سے ۱۲ بجے دوپہر تک ——— یونین ہال

۱۔ شاعروں کی تنظیم کا مسئلہ

۲۔ لغت کمیٹی کی رپورٹ

دوسرا اجلاس، ۳ بجے سہ پہر سے ۶ بجے سہ پہر تک ——— یونین ہال

۱۔ اردو کے ناشرین کے مسائل

۲۔ اردو کے صحافیوں کے مسائل

۳۔ کانفرنس کے مختلف جلسوں کی تجاویز

۶ بجے شام۔ انجمن کی طرف سے ایٹ ہوم ——— (دفتر انجمن میں)

مشاعرہ بوقت ۹ بجے سے بارہ بجے تک ——— یونین ہال

نوٹ:- جو حضرات اس کانفرنس میں شرکت کرنا چاہیں دفتر کو اطلاع دے دیں تاکہ ان کی خدمت میں ریلوے فارم بھیجا جا سکے۔

انجمن کی خبریں

بنارس دیوپی

انجمن ترقی اردو بنارس کی مجلس عاملہ کی منظور شدہ تجویزیں حسب ذیل ہیں :-

(۱) انجمن ترقی اردو بنارس کا مجلس عاملہ کا یہ جلسہ جناب بیگی وزیر حسن صاحب کے انتقال پر ملال پر نہایت رنج و افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ خداوند رب العزت سے دست بدعا ہے کہ وہ مرحوم کو مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(۲) ممبران مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو بنارس کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی ہوا کہ جناب مسعود صاحب لیلی ہیں۔ انجمن یہ گورنمنٹ صوبہ یوپی سے استدعا کرتی ہے کہ وہ جناب مسعود اختر جمال صاحب کو جو بنارس کے بہت مشہور شاعر ہیں امداد فرمائے۔

یہ بھی طے ہوا کہ انجمن ترقی اردو بنارس کی طرف سے تین اشخاص میں جناب آغا ریاض احمد صاحب دبابو شیو ناتھ پرشاد صاحب دجناب محمد نذیر بنارسی صاحب بشمول جناب پنڈت آنند صاحب آنریبل وزیر اعلیٰ یوپی سے وفد کی شکل میں ملاقات کریں اور ان سے جناب مسعود اختر جمال صاحب کی امداد کے لئے استدعا کریں۔

محرک :- بابو شیو ناتھ پرشاد صاحب

موید :- آغا ریاض احمد صاحب

ناگ پور

ناگ پور ۱۰ مئی ۵۶ء صدر انجمن ترقی اردو شہر ناگ پور و جنرل سکریٹری ودربھ انجمن ترقی اردو جناب شاکر اورنگ آبادی نے مندرجہ ذیل اشخاص پر مشتمل انجمن کی مجلس انتظامیہ کا اعلان کیا ہے

(۱) صدر :- جناب شاکر اورنگ آبادی ایم۔ اے

نائب صدر :- (۱) جناب نواب حفیظ الکریم صاحب ایڈوکیٹ

(۲) بیگم صاحبہ سرشش پاپوال ایم۔ اے۔

سکریٹری :- جناب ہدایت حسین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی

نائب معتمد :- (۱) محترمہ شفیقہ فرحت صاحبہ ایم۔ اے۔ ٹوپ ایچ

(۲) محمود المحمود الحسن صوفی۔

ناظم نشر و اشاعت :- جناب فخرالدین صاحب قدوی ایم۔ اے۔

(۸) خازن :- جناب اصغر علی شمیم۔

اراکین :-

۱۔ جناب قاضی محمد مجیب الدین صاحب ایڈوکیٹ۔

۲۔ جناب حمید اللہ خاں صاحب آزاد ایم۔ اے ۳۔ جناب مصطفے احمد قمر بی۔ اے

۴۔ جناب رحمت احمد خاں صاحب ستد بنارسی بی۔ اے۔

۵۔ جناب عبدالرحیم صاحب عزیز

۶۔ جناب امیر الدین خاں صاحب

۷۔ جناب سید احمد علی ہاشمی

۸۔ جناب مشرقی رائے بریلوی

۹۔ محمد حنیف صاحب مالک حنیف بک ڈپو۔

۱۰۔ جناب راجیت رائے صاحب جنیدی

انجمن کے جلسے

۳ ۔ اور ۴ ۔ جولائی ۱۹۵۶ء کی اردو کانفرنس کے فوراً بعد ۵ ۔ جولائی کو انجمن ترقی اردو ہند کی مجلس عام اور دوسری مجلسوں کے جلسے ہوں گے۔ ان جلسوں کے ایجنڈے اور اطلاع نامے اراکین کی خدمت میں بھیجے جا رہے ہیں۔

انجمن کی اردو کانفرنس کا پروگرام مدعو حضرات کی خدمت میں بھیج دیا گیا ہے۔ جوابات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کافی حضرات کانفرنس میں شریک ہوں گے۔

جن حضرات نے اب تک اطلاع نہیں دی براہ مہربانی فوراً دیں تاکہ ریلوے فارم بھیجے جا سکیں۔

غزل

ہے آج جام طرب میسر تو کل مئے تلخ بھی ملے گی
گریباں پر جو شے ملے گی، یقین ہے عارضی ملے گی
بہار آئی تو ہم یہ سمجھے چمن میں آسودگی ملے گی
یہ کیا خبر تھی کہ باغباں کی نگاہ بدلی ہوئی ملے گی
یہ شیخ حاضر کی درسگاہیں جو شیوۂ بندگی سکھائیں
ہمارے افسردہ حوصلوں کو یہاں سے کیا زندگی ملے گی
ہماری حالت پہ ہنسنے والے فلک کے انداز یہ بتائے
کبھی ہمارے بھی دن پھریں گے کبھی ہمیں بھی ہنسی ملے گی
کسے خبر تھی کہ ان کی محفل میں ہوگی یہ منزلت جنوں کی
خرد کے ہاتھ آئے گا نہ کچھ بھی جنوں کو پیغمبری ملے گی
اگرچہ موت اور زندگی کی مراحل منزل کو طے کر چکی ہے
محبت کے راستے میں خود بھی کبھی کبھی ملے گی
ہمارے فکر و عمل پہ کب تک رہے گی ظلمات دہر کی ظلمت
ہمارے فکر و عمل کو ہمدم نہ جانے کب روشنی ملے گی
ظہیر گر سفر کو تو نے سمجھ لیا جستجو کو حاصل
حدود دیر و حرم سے آگے بھی اک منزل نئی ملے گی

(ظہیر احمد صدیقی)

غیر معروف شعراء (۵) مختارالدین احمد

محمد امان نثار

محمد امان (یا امان اللہ) سعادت اللہ معمار کے بیٹے تھے اور خود بھی فن تعمیر میں بڑی دست گاہ رکھتے تھے۔ ان کے بزرگ ممتاز ریاضی داں اور مہندس تھے جنھوں نے دہلی کی جامع مسجد تعمیر کی تھی۔ اشپرنگر نے مصحفی اور قاسم کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ پہلے نواب مجد الدولہ کے میر عمارت تھے بعد میں نواب ضابطہ خاں کے ہاں نوکر رہے پھر لکھنؤ میں مہاراجہ ٹکیت رائے خزانہ دار آصف الدولہ کے یہاں کاروبار تعمیر پر مامور ہوگئے۔ شاعر بھی تھے اور نثار تخلص کرتے تھے۔ میر و مرزا کے معاصر تھے اور شاعری میں حاتم کے شاگرد۔ میر کے اژدر نامے کے جواب میں ایک غزل لکھی تھی جس کا مقطع یہ ہے:-

حیدر کرار نے وہ زور بخشا ہے نثار
ایک دم میں دو کروں اژدر کے کلے چیر کے

سنین ولادت و وفات معلوم نہیں لیکن معلوم ہے کہ تذکرہ میرحسن کی ترتیب کے وقت نثار بالکل کم عمر اور تازہ گو تھے۔ قاسم (۱۲۲۱ھ) کے لگ بھگ انھیں جوان ہوشیار و پختہ کار لکھتا ہے اور ان کی زندگی کی سلامتی کی دعا کرتا ہے۔ یکتا کی دستور الفصاحت کی ترتیب کے وقت ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

کلام کے متعلق میرحسن کی رائے سنیے:- "تازہ گو است اکثر الفاظ را بہ عبارت کرسی نشیں می کند و کار ریختہ و غزل را بہ خوبی در ہر بیت بہ سر انجام می رساند" یکتا لکھتا ہے:- "کمال پرگو بود، آوردن الفاظ، کہ مخصوص بہ مردمان شاہجہاں آباد است، خاصۂ او بود"

نثار بڑے پرگو تھے۔ مصحفی اور قاسم انھیں دیوان ضخیم کا مصنف بتاتے ہیں۔ یکتا لکھتا ہے کہ سات دیوان مرتب کیے تھے جن میں بیشتر کلام غزلیات پر مشتمل تھا۔ دیوان بہت کمیاب ہے۔ جامعہ کیمبرج میں دیوان نثار کا ایک نسخہ دیکھنے میں آیا اور میرا قیاس ہے کہ وہ دیوان میر عبدالرسول نثار اکبرآبادی معاصر میر و سودا کا نہیں بلکہ انھیں محمد امان نثار کا ہے۔ تقسیم سے پہلے ہندوستان میں بھی اس کا ایک نسخہ ضرور موجود تھا۔ مشہور مصور چغتائی نے اس کو نسخۂ لاہور کہ ذکر کیا ہے۔ حسرت موہانی نے ایک جزو میں کلام کا انتخاب بھی شائع کیا تھا۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ انھیں دیوان نثار کے کسی نسخے کا علم ہو تو مطلع فرمائیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:-

دل دے کے تجھے عشق کا آزار خریدا — غنچے کے عوض ہم نے عجب خار خریدا

کیا جانے پھلکاری کا وہ کس برس بچپن کا تھا — جو تختۂ دامن تھا تختہ وہ چمن کا تھا
ہم آگے ہی سمجھے تھے تم عمر کو کھو دوگے — جس وقت گجر باجا ماتھا وہیں ٹھنکا تھا
جاتا ہی نہ یہ جلوہ وہ بادۂ گلگوں کا — جامے میں جو کچھ یارو رنگ اس کے بدن کا تھا
نرگس کو کیا ایسا بیمار ان آنکھوں نے — ڈھلکا ہی نظر آیا گردن کا جو منکا تھا

خط کے آنے سے نہ کچھ چل سکی تدبیر اپنی — بوسہ بازی کی لگی خالصہ جاگیر اپنی
کیا دل کو خدا نے جو یہ خوشیاں کی ہیں — کیا دکھا دے گی ہمیں دیکھئے تقدیر اپنی
اپنے گھر میں جو ہے رخنۂ دیوار نثار — اپنی غفلت پہ ہنسا کرتی ہے تعمیر اپنی

ہو ہم سے زر و سیم کی تدبیر سو کیا خاک — دنیا میں بڑی چیز ہے اکسیر سو کیا خاک
نامہ کو مرے پڑھ کے پٹک دے ہے زمیں پر — دیکھی رقم شوق کی تاثیر سو کیا خاک
گر دا ہو تری شکل کو بیٹھے ہے مرے گرد — اب اور میاں کھینچوں تری تصویر سو کیا خاک
یہ سوختہ کے تن میں نہیں بوند لہو کی — جانے گا مری جان ترا تیر سو کیا خاک
جاتی ہے اڑی گرد نثار اس کی گلی کو — کی عشق نے اس شوخ کی تسخیر سو کیا خاک

تو ذرا اک دم ٹھہر کہ مجلس میں گھر آتے ہے — گھر ہزاروں بیچ گئے اشکوں کے بہی جاتے ہے
تیری اس کی گرم صحبت یک دم چھوڑ دی — روز میرے شعلہ خو کو غیر بھڑکاتے رہے
خواہش دل تھی جو کچھ وہ بات بن آئی نہ یہ — آہ کیا کیا شوخ سے ہم دل کو ٹھہراتے رہے
آئینے نے دی جو اس کو خط کے آنے کی خبر — اپنی زلفوں کی طرح کیا دل میں بل کھاتے رہے
بے تکلف ہو نہ بیٹھے سامنے آنکھیں چرائیں — وصل کی شب بھی نثار اپنے سے شرماتے رہے

غزلیں ترے حسن کی کچھ حرف تو کب ہے — لیکن یہ ذرا خط ہو سو اصلاح طلب ہے

دل تو شیشہ سے بھی نازک ہے سنبھالو اس کو — گیند کی طرح نہ ہاتھوں میں اچھالو اس کو

بخش دو خون دل اپنے کو شہیدان وفا — تاکہ شرمندہ نہ قاتل ہو ملاقات کے وقت

رات بہکی جو زباں یار کی بے ہوشی میں — جو نہ کہنا تھا کہا عالم بے ہوشی میں

گردش کا اس نگاہ کی اب طور اور ہے — اے ساکنان میکدہ یہ دور اور ہے

ماخذ:-

تذکرۂ شعرائے اردو میر حسن۔ نسخہ وزارت ہند لندن۔ ورق ۱۲۰
تذکرۂ عیار الشعرا، خوب چند ذکا۔ نسخہ وزارت ہند لندن ورق ۱۰۳ الف - ۱۰۴ ب
تذکرۂ مجموعۂ نغز۔ قاسم مرتبہ محمود شیرانی ۲/ ۲۰۰
تذکرۂ ہندی مصحفی۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ص ۲۵۵
دستور الفصاحت۔ مرتبہ جناب امتیاز علی عرشی ص ۷۸

رفتار

حسن شہیر

ہماری زبان کے ۸ اپریل کی اشاعت میں آپ کی ایک تنقید پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت وہ تنقید میرے پاس نہیں ہے لیکن شاید —— جہاں تک کہ مجھے یاد ہے آپ نے غزل کے موجودہ رجحانات پر بحث کی ہے —— یا اس موضوع پر کوئی گفتگو کی ہے۔ آپ کے اس مضمون پر میں کوئی طویل گفتگو نہیں کرسکتا اس لئے کہ وہ مضمون میرے سامنے نہیں ہے۔ ایسی شکل میں جبکہ وہ مضمون میرے سامنے نہیں ہو میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی بات کو محدود رکھوں۔

آپ کو میری ایک ترکیب "آدمی کے پھول" پر اعتراض ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ کس بنیاد پر "آدمی کے پھول" کی ترکیب سے آپ کو اختلاف ہو سکتا ہے اس لئے کہ آپ کا یہ بیان دلائل پر مبنی نہیں ہے۔ ہم کسی بات کو بیان دے کے نہیں ثابت کرسکتے اس لئے کہ اس طور پر کسی بات کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

لکھتے وقت شاید آپ کو وہ شعر بھی یاد نہ ہوگا جس سے یہ ترکیب اخذ کی گئی ہے اور اسی لئے آپ نے محض بیان پر اکتفا کیا اور یہ زحمت گوارا نہ کی کہ کم سے کم اس شعر سے اپنے پڑھنے والوں کو متعارف تو کیا ہوتا جس کے متعلق آپ نے گفتگو کی ہے۔

اگر ہم نے اشعار کو اسی طور پر پرکھا تو قدم قدم پر چلنا محال ہے اور کوئی نئی بات کہنا خطرہ سے خالی نہیں۔

میرانیس کا ایک بند ہے (مراثی انیس، جلد سوم صفحہ ۲۰۹، بند دوم) جس میں انھوں نے "فولاد کے دریا" استعمال کیا ہے۔ جب تک پورا بند یا کم سے کم ایک شعر نہ پڑھا جائے ترکیب کو سمجھنا آسان نہیں۔ اسی طرح "آدمی کے پھول" کو سمجھنے کے لئے اس سے متعلق شعر کا ذکر لازمی ہے ورنہ "آدمی کے پھول" کا سمجھنا آسان نہیں۔ شعر ہے۔

دست طلب میں ہے کے فسانہ حیات کا
محشر میں آپ آئے لئے آدمی کے پھول

حسب بالا شعر میں "آدمی کے پھول" کی ترکیب اسی شکل سے ہے جیسے "فولاد کے دریا" "طوفان کا فانوس" یا "آنسوؤں کے پاؤں"۔ اس کے سمجھنے کے لئے آنکھیں درکار ہیں اور نئی علامتوں سے روشناس ہونا ضروری ہے۔ ان علامتوں کا لسانیات سے بہت گہرا تعلق ہے —— ہاں عام بول چال کی زبان سے انھیں کوئی مناسبت نہیں اگر ہے تو معنوی حیثیت سے ہے۔ محض الفاظ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ میرزا یگانہ کا مصرعہ ہے:

میرے "اک پھول کھلایا ہے ترے پہلو میں"

عام طور پر پہلو میں پھول کھلانے کے کوئی معنی نہیں لیکن شاعری کی زبان بول چال کی زبان سے علیحدہ ہوتی ہے اور اسی لئے اس کے سمجھنے کے لئے ذہن رسا کی ضرورت ہے جو نئی علامتوں کے خول سے خیال کے نئے معنی دریافت کرتا ہے۔ یہاں پہلو میں پھول کھلانے سے مطلب نئے انسان کی آمد سے ہے۔ انسان بھی تو ایک پھول ہی ہے۔ کیا ہم اس کو پھول سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ پھول کی اپنی ایک خاصیت ہے جو نئے معنی سے متعلق ہے۔ الفاظ کا استعمال اس کے معنی کو متعین کرتا ہے۔ دست طلب کے معنی وہ ہاتھ جو خواہشات کی انتہا کو لئے ہوئے پھیلا ہے۔ آدمی عالم کائنات کا حاصل نظر ہے چونکہ اس کو ثبات حاصل نہیں ہے اس لئے اس کو افسانے سے تشبیہ دی گئی ہے جو بے حقیقت ہوتا ہے۔ "دست طلب میں ہے کے فسانہ حیات کو" کے معنی پھیلے ہوئے ہاتھ میں انسان کی تمام خواہشات کو لئے ہوئے جو فلسفیانہ حیثیت سے اپنی انتہا پر ہوتے ہوئے بھی مادی دنیا میں افسانے سے زیادہ نہیں۔

ہر انتہا محشر کی علامت ہے چنانچہ ایک انتہا سے انسان دوسرے انتہا کی تعمیر کرتا ہے۔ انتہا کشمکش کی بھی علامت ہے اور اسی طرح جب انسان جب دوسرے انتہا کی بنیاد رکھتا ہے تو کشمکش لازمی ہے۔ ہر کشمکش کا حاصل تخلیق ہے۔ انسان چونکہ ابھی نامکمل ہے۔ اسی لئے وہ دوسرے انسان کو پیدا کرتا ہے تاکہ وہ تکمیل کی حد کو پہنچے اسی لئے آدمی کو پھول سے تشبیہ دی ہے جو اپنے بطن سے نئے پھول کو جنم دیتا ہے۔ محشر یا قیامت کو ایک طبقہ تمام انتہا کی انتہا سے موسوم کرتا ہے لیکن شاعر اس انتہا پر بھی رکتا نہیں کرتا اور وہ خیال کرتا ہے کہ شاید انسان کا اس کے بعد بھی (REGENERATION) ہو۔

نوٹ: جس تنقید کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ادارے کی طرف سے نہیں ہے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی کے رفتار کے کالم میں ہے ۔ مدیر ہماری زبان

معاصرین

ایجوکیشن منسٹری کی طفل تسلیاں

مرکزی گورنمنٹ کی وزارت تعلیم کے سکریٹری خواجہ غلام السیدین نے حیدرآباد (دکن) میں ایک تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"اردو کے مستقبل کے متعلق مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے اور اب اردو کا کوئی مستقبل نہیں ان کے اس خیال کی نہ تو شعور شہادت دیتا ہے اور نہ واقعات۔"

خوب! پنجاب کی درسی اور عدالتی زبان صرف اردو تھی اور وہاں کا کوئی تعلیم یافتہ شخص سوائے اس زبان کے دوسری کوئی زبان نہ جانتا تھا مگر اب وہاں جھگڑا صرف پنجابی اور ہندی کے درمیان ہے اور ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اردو کو زندہ رکھنے کے حق میں ہو تمام پنجاب میں ایک سکول بھی ایسا نہیں جہاں اردو پڑھائی جاتی ہو۔ اور آئندہ بیس برس کے بعد اس صوبے میں اردو کا پوسٹ کارڈ پڑھنے والا بھی کوئی نہ ملے گا۔ یہی کیفیت دہلی میں ہے۔ عدالتوں یا سرکاری دفاتر پر لگے ہوئے سائن بورڈوں تک سے اردو کھرچ دی گئی حالانکہ دہلی اردو کا مرکز تھی۔ آپ کسی ریلوے سٹیشن پر چلے جائیے آپ کو کہیں اردو نظر نہ آئے گی۔ یو۔پی کے تمام اضلاع میں اردو جاننے والے موجود ہیں اور حامیان اردو (جن میں ہندو اور مسلمان شامل ہیں) سالہا سال سے آہ و فغاں کر رہے ہیں کہ اس صوبہ میں اس زبان کو بطور ایک علاقائی زبان کے زندہ رہنے دو مگر وہاں کی گورنمنٹ نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ اس صوبہ کے کسی ضلع کی بھی زبان اردو نہیں اور اس صوبہ کی وزارت اس کوشش میں ہے کہ اردو کو دوامی طور پر زمین کے نیچے دفن کر دیا جائے۔ بھوپال اور حیدرآباد میں اردو کا اس زمانہ تک کے لئے وجود باقی ہے جب تک کہ وہاں پچھلے زمانے کے لوگ زندہ ہیں۔ وہاں کی نئی نسل کی زبان یقیناً مرہٹی ہوگی۔ اور دوسرے کسی صوبہ میں اردو کے بطور زبان زندہ رہنے کا کوئی سوال ہی نہیں حالانکہ مولوی عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو کا دعویٰ تھا کہ ہندوستان کے ہر علاقے، ہر صوبہ اور ہر کونہ میں اردو لکھی پڑھی اور بولی جاتی ہے۔ اردو کی اس قابل رحم اور زندہ در گور حالت میں بھی یہ خواجہ غلام السیدین ہیں کہ اردو جاننے والوں کو طفل تسلیاں دیتے ہوئے اردو کے مستقبل کے شاندار ہونے کا یقین دلا رہے ہیں۔

ہم خواجہ غلام السیدین پر دروغ بیانی کا تو الزام نہیں لگاتے مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں جس کی کسی لائق اور تعلیم یافتہ شخص سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ (ریاست دہلی)

زبان کے دشمن

ہندوستان کے دستور میں اردو کو دوسری زبانوں کے ساتھ علاقائی حیثیت دی گئی ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو بارہا اردو کی حمایت کر چکے ہیں اور یہاں تک کہہ چکے ہیں کہ یو۔پی وغیرہ علاقوں میں اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ اردو کی حمایت میں ۲۲ لاکھ دستخط کرنے والوں میں ہندو، مسلمان، عیسائی اور سکھ سب ہی شامل ہیں۔ اردو زبان کے بلند پایہ اخبارات ہندوؤں اور آریہ سماجیوں کی ادارت میں نکل رہے ہیں اور اردو ہی کے صدقے میں انھوں نے عالیشان کوٹھیاں اور بنگلے تعمیر کئے ہیں۔ پھر اردو زبان اسی ملک میں پیدا ہوئی یہیں پروان چڑھی اور آج تک ہندو مسلم اتحاد کی نشانی کے طور پر باقی ہے۔ مگر راشٹریہ بھاشا ہندی سمیلن کے اجلاس مرزاپور میں ایک قرارداد منظور کی گئی ہے جس میں اردو کو غیر ملکی زبان قرار دیا گیا ہے اور یو۔پی اسٹیٹ ہندو مہا سبھا کے لیڈر مسٹر وشوناتھ اگروال نے کانفرنس کو مشورہ دیا کہ وہ اردو زبان کو علاقائی زبان بننے سے روکے اور اس کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرے۔ ان تمام باتوں سے کیا ثابت ہوا؟ یہ کہ ہندوستان کا دستور جھوٹا، پنڈت نہرو بھی جھوٹے۔ اردو کے ہندو اخبارات بھی غیر ملکی مسلم نواز اور فریب کار۔ اور اردو غیر ملکی اس لئے کہ وہ نہ یہاں پیدا ہوئی نہ یہاں اس کے سمجھنے اور بولنے والے۔ بلکہ یہ زبان عرب میں پیدا ہوئی عرب میں پھیلی، روس میں پروان چڑھی اور امریکہ اور برطانیہ میں بولی اور سمجھی گئی۔ ہم سمجھا تھا کہ کانگریس اقلیتوں کی شکایات پر غور کرنے کے لئے کوئی خاص محکمہ کھولنے والی ہے۔ اخبارات نے لکھا تھا کہ اقلیتوں کو پہلی شکایت یہ ہے کہ اردو زبان کو تباہ کیا جا رہا ہے اگر کانگریس نے اس شکایت کا ازالہ کیا تو ہم سمجھیں گے کہ واقعی اسے اقلیتوں کی شکایات کا خیال ہے نہیں کیا تو ثابت ہو جائے گا کہ کانگریس کچھ نہیں کر سکتی۔ شاید اس سے تو یہ بھی نہ ہوگا کہ اردو دشمنوں کے منہ میں لگام دے اور دستور کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے فرقہ پرستوں کو آڑے ہاتھوں لے۔ (الجمعیۃ دہلی)

جامعہ اردو علی گڑھ

پنڈت راج ناتھ کنزرو نائب امیر جامعہ، جامعہ اردو

جامعہ اردو ایک آئینی خود مختار ادارہ ہے جو ۱ عہدہ داران اور ۳۳ اراکین مجلس منتظمہ پر مشتمل ہے۔ یہ کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں ہے۔ اس لئے سید ظہیر الدین علوی جو صرف اس کے رجسٹرار ہیں اسے کسی کو سونپ نہیں سکتے۔ لہٰذا نامی صاحب (بمبئی) کا یہ بیان کہ "جامعہ اردو اس وقت مسلم یونیورسٹی میں مدغم ہونے کے لئے اپنی آغوش وا کئے ہے" سراسر بے بنیاد ہے۔ میں علوی صاحب کی کارکردگی اور شغف سے بخوبی واقف ہوں اور بذات خود جانتا ہوں کہ علوی صاحب کا کسی قسم کا ذاتی مفاد جامعہ اردو سے وابستہ نہیں ہے نہ ان کو کسی قسم کا مشاہرہ یا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ جناب نامی صاحب کا یہ خیال بھی کہ کوئی ذاتی منفعت علوی صاحب کی ہے عبث اور غلط ہے۔

جامعہ اردو کی مجلس منتظمہ یہ ہرگز نہ کرے گی کہ وہ ایسے ادارہ کو جس کا کام روز افزوں ترقی پر ہے اور جو اردو کی ترقی اور ترویج میں بیس سال سے منہمک ہے کسی دوسری جماعت کے سپرد کر دے۔ یہ ادارہ کسی سے چندہ نہیں لیتا اور نہ گورنمنٹ سے کسی قسم کی امداد لیتا ہے اور نہ عطیہ قبول کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اپنے بل بوتے پر کھڑا ہے اور خدا کے فضل سے کام ہر سال بڑھ رہا ہے۔ ایسی صورت میں یہ ادارہ کیوں کسی دوسرے ادارے میں مدغم کیا جائے۔ یہ خیال عبث ہے بلکہ جتنے مستند اردو داں اور اردو دوست ہمارے ملک میں ہیں وہ کسی نہ کسی شکل میں جامعہ اردو کے ہر نوع سے حامی و مددگار ہیں۔ نیز جامعہ کے امتحانات کو یہ فخر حاصل ہے کہ کچھ یونیورسٹیوں نے ان کو تسلیم کر لیا ہے۔

امیر حسن نورانی (لکھنؤ)

ہماری زبان مورخہ ۲۲ مئی میں ظہیر الدین علوی صاحب رجسٹرار جامعہ اردو کا ایک مراسلہ نظر سے گزرا۔ اس کے متعلق چند باتیں عرض کرتا ہوں، مہربانی فرما کر ان کو اپنے موقر اخبار میں شائع فرما دیں۔

اورینٹل کالج بمبئی نے ڈاکٹر عبدالعلیم نامی صاحب کی نگرانی میں اردو کے چار امتحانات اور اسلامیات کے تین امتحانات جاری کئے ہیں۔ اردو کی اشاعت و ترقی کے سلسلے میں یہ ایک نیک اقدام ہے۔ تعجب ہے کہ علوی صاحب نے اس پر اظہار ناراضگی فرمایا ہے جبکہ جامعہ اردو کے منتظمین کی بہت سی غیر ذمہ دارانہ باتیں زبان زد خاص و عام ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ نصابی کتب کے انتخاب وغیرہ میں بے حد گڑبڑ ہوتی ہے۔ احباب و اعزا نوازی کا خیال زیادہ رکھا جاتا ہے اور نصاب کے معیار پر نظر نہیں ہوتی۔ سال گزشتہ دو ایسی کتابیں پراسپکٹس میں شائع ہوئیں جو اس وقت مؤلف صاحب مرتب کرنے میں مصروف تھے اور اس سال وہ تیار ہوئیں لیکن نام تجویز کر کے پہلے سے ان کو کورس میں داخل کر دیا گیا۔ اسی طرح اس سال بھی پبلشرز سے کتب منگوائی گئیں اور کمیٹی بھی ہوئی لیکن ایسی کتب جو نصاب میں داخل کی گئیں اور جو ابھی شائع نہیں ہوئیں۔ کیا کسی بھی صورت میں ایک ذمہ دار ادارہ سے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے۔ اس سے خود مسلم یونیورسٹی کی بدنامی ہوتی ہے جس نے ان امتحانات کو منظور کیا ہے۔ دراصل جامعہ ایک قومی ادارہ ہوتا تو بہتر تھا نہ کہ ایک ذاتی ملکیت۔ پھر نصابی کتب کی فراہمی اور اشاعت ایک خاص پبلشر کے سپرد ہے جس کا تعلق رجسٹرار صاحب سے ہے۔ یہ کسی جامعہ کا قاعدہ نہیں کہ کسی تاجر کو اس جامعہ کا جزو بنا دیا جائے اور پراسپکٹس میں اس کا نام چھاپا جائے، اشتہار دیا جائے اور وہ تاجر دوسرے اداروں سے یہ خواہش کرے کہ اگر اس کو زیادہ کمیشن نہ دیا گیا تو اس کی کتاب کورس سے نکلوا دی جائے گی۔ اس کے کئی ثبوت موجود ہیں۔

علوی صاحب سے میری درخواست ہے کہ ان بدعنوانیوں کی روک تھام کریں تاکہ جامعہ کا وقار برقرار رہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جناب اورینٹل کالج بمبئی کے امتحانات کی مخالفت کرنا دراصل اردو کی ترقی کی مخالفت ہے۔ کیا ایک کالج کی موجودگی میں دوسرا کالج کھولنا برا ہے۔ اردو کی ترقی کا ایک ادارہ کافی ہوتا تو ملک بھر میں بے شمار اداروں اور انجمنوں کی کیا ضرورت تھی۔

میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر نامی صاحب نے بڑا اچھا قدم اٹھایا ہے اور رجسٹرار صاحب جامعہ اردو کو ان کی پوری تائید کرنی چاہئے نہ کہ مخالفت۔ اردو کی خدمت کسی ایک کی اجارہ داری نہیں ہے جس کو بھی اپنی زبان سے محبت ہے اس کو حق حاصل ہے کہ اپنی ہمت کے مطابق اس کے لئے نئے نئے میدان تلاش کرے۔

جامعہ اُردو، علی گڑھ

آج میری توجہ رجسٹرار جامعہ اردو سید ظہیر الدین علوی صاحب کے ایک بیان کی طرف مبذول کرائی گئی جس میں اس بات پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اورنٹیل کالج کے قیام سے جامعہ اردو کی مرکزیت ختم ہو جائے گی اس لئے محبان اردو اس کی اعانت نہ فرمائیں۔

مسٹر علوی کم و بیش دس سال سے اسی قسم کے اوچھے ہتھیار ان لوگوں کے خلاف چلانے کے عادی ہیں جو کسی نہ کسی طرح ترویج و ترقی زبان کے لئے کوشاں ہوں۔ اگر مسلم یونیورسٹی اپنے اقتدار کے باوجود جامعہ اردو کا کچھ نہ بگاڑ سکی تو یہ نیم مردہ حقیر کیڑا (اورنٹیل کالج) جامعہ اردو کی مرکزیت کو کس طرح ختم کر سکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ راقم الحروف "علی گڑھ تعلیمی کمیٹی" کا ایک رکن ہے اور اسی سال میں ۱۲ اپریل ۱۹۵۷ء کو اس کا سکریٹری مقرر ہوا ہے۔ یہ کمیٹی عرصہ پانچ سال سے اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ اردو زبان کی اہمیت کو برقرار رکھنے اور اس کو مرکزیت دینے کے لئے جامعہ اردو کو ملک کے سب سے بڑے علمی و ادبی ادارہ — انجمن ترقی اردو ہند کے سپرد کر دیا جائے اور اب دو سال سے اس بات کی بھی کوشش کر رہی ہے کہ مسلم یونیورسٹی سے درخواست کی جائے کہ وہ لکھنؤ۔ الہ آباد پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں کی طرح لسانی امتحانات جاری کرے اور جامعہ اردو کو اپنی نگرانی میں لے لے۔

مسٹر علوی ان تجاویز سے گھبرا گئے ہیں۔ وہ کسی قیمت پر نہیں چاہتے کہ جامعہ اردو "انجمن ترقی اردو ہند" یا "مسلم یونیورسٹی" کے حوالے کی جائے کیونکہ اس سے نصف لاکھ سے زیادہ آمدنی کی مالی کے مشترک ہاتھ سے نکل جائے گی۔ (بات اتنی سی ہے)

ہمدردان اردو کا فرض ہے کہ وہ مولانا آزاد۔ ڈاکٹر ذاکر حسین (دہلی) وائس چانسلر کرنل زیدی، پرو وائس چانسلر نور اللہ پروفیسر رشید احمد صدیقی، پروفیسر آل احمد سرور۔ رجسٹرار مسٹر محمود (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں۔ اور اردو پریس سے درخواست ہے کہ وہ اس اہم تجویز کی تبلیغ میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

مخلص ڈاکٹر اے۔ اے نامی
ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
پرنسپل اورنٹیل کالج۔ بمبئی ۳

کتابیں ملیں

(تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

سینما کا عشق (ہندی) مصنف: اے ایس بخاری پطرس۔
ناشر: ادبی پبلشرز بمبئی۔ حجم $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۱۶}$ ص ۱۴۲
کاغذ عمدہ۔ قیمت ۲/۸ روپے

JAWAHARLAL NEHRU ON
COMMUNITY DEVELOPMENT
ناشر: پبلیکیشنز ڈویژن۔ دہلی۔ کاغذ اچھا
حجم $\frac{۱۸ \times ۲۲}{۸}$ صفحات ۴۹

کبیر جوگ اور مکتوبات مہرشی (رسالے)
ایڈیٹر: نندو بھائی
ناشر: دیال بھنڈار کیشو گری۔ حیدر آباد۔ دکن
حجم $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۱۶}$ کاغذ اچھا قیمت سالانہ ۴/۴ روپے۔

لالچی فقیر:- مصنف: محمود پرویز کاکوی
ناشر: مکتبہ اشاعت اردو کوٹری (حیدرآباد) پاکستان۔
حجم $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۱۶}$ صفحات ۲۳
کاغذ اچھا۔ قیمت پانچ آنے۔

بچوں کے ترانے۔ مصنف: محمود پرویز کاکوی
صفحات ۱۶ قیمت تین آنے

چوکیدار: مصنف: محمود پرویز کاکوی
صفحات ۲۲ قیمت پانچ آنے

ایک بادشاہ ایک قصاب:- مصنف محمود پرویز کاکوی
صفحات ۲۲ قیمت پانچ آنے

استادوں کی تعلیم اور ٹریننگ (ہندی)
مصنف: پربھاکر ماچوے
ناشر اورینٹ لونگ منس۔ بمبئی۔ کلکتہ۔ دہلی حجم $\frac{۱۸ \times ۲۲}{۸}$
کاغذ اچھا صفحات ۹۸ قیمت ۱/۸ روپے

۱۲ برس سے چھوٹی عمر کے بچوں پر گھر اور باہر کا اثر (ہندی)
مصنف: پربھاکر ماچوے
ناشر اورینٹ لونگ منس۔ بمبئی۔ کلکتہ۔ دہلی۔
حجم $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$ کاغذ اچھا۔ قیمت ۱/۸ روپے صفحات ۴۵

انسانی محبت اور تعلیم مشرق اور مغرب کے ملکوں میں (ہندی)
مصنف یدونشی ناشر اورینٹ لونگ منس بمبئی کلکتہ دہلی
حجم $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$۔ کاغذ اچھا۔ قیمت چھ روپے
صفحات ۲۴۴

جلسہ تقسیم اسناد ہندی پرچار سبھا حیدرآباد

(خواجہ غلام السیدین)

(بقیہ سلسلہ گزشتہ)

دور کیوں جائیے اقبال کا نیا شوالہ، حالی کی مناجات بیوہ، راجہ رادھیکا پرشاد سنہا کی نثر (جس کو ہندی والے ہندی، اردو والے اردو، اور ہندوستانی والے ہندوستانی کہہ سکتے ہیں) اس بات کا ثبوت ہیں کہ اردو میں ہندی لفظوں کی کھپت بشرطیکہ سلیقے کے ساتھ کی جائے اس کی سندرتا کو بگاڑتی نہیں سنوارتی ہے۔ اس طرح اردو فارسی لفظ صرف سبد ساگر ہی کی پونجی نہیں بلکہ انھوں نے شاعری اور ادب کے علاوہ ہندوؤں کی مقدس کتابوں رامائن اور مہابھارت کے ترجموں میں بھی بار پایا ہے۔ اس لئے اردو ہندی کا بیر عقل کی دشمنی ہے اور پرائے شگون کے لئے اپنی ناک کٹانا۔ اگر اردو کی چیزیں ہندی لپی اور ہندی کی چیزیں اردو رسم خط میں شائع کی جائیں اور لکھنے والے دور بھاگنے کے بجائے ایک دوسرے کے قریب آنے کی کوشش کریں اور قبول عام کو اپنی کسوٹی بنائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دونوں زبانیں ایک دوسرے کی دولت سے مالا مال نہ ہوں۔ کہاں سے زباں لاکر کہوں زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ لفظوں کا جغرافیہ نہیں ہوتا۔ ان کے باپ دادا کی تلاش، ان کے ابتدائی وطن کا کھوج لگانے کی کوشش علمی ریسرچ کے لحاظ سے تو اچھی چیز ہے لیکن اگر اس کا مقصد ان کی ذات پات کی چھان بین کرکے ان کا حقہ پانی بند کرنا ہے تو اس سے زیادہ حماقت کیا ہو سکتی ہے۔ جو لفظ ہماری زبان میں آکر کھپ گیا وہ ہمارا ہے چاہے سنسکرت سے آیا ہو یا فارسی سے یا انگریزی سے یا دراوڑی سے اس کو ہاتھ سے دینا اپنے دھن کو برباد کرنا ہے۔ اردو میں ہندی کے جو سندر لفظ جگہ پائے ہیں وہ سر آنکھوں پر۔ ہندی میں جو اردو فارسی کے لفظ ہیں ان کو آدر پریم کے ساتھ اپنائیے۔ اس کو زبردستی شدھ کرنے کی کوشش، سنسکرت کے اپرچت شبدوں کی ٹھونس ٹھانس، اردو فارسی لفظوں کو شہر بدر سے نکالنے کا جذبہ یہ چیزیں تو ہماری قومی تہذیب اور پریم کے خلاف ہیں۔ ایک زمانہ اردو پر بھی ایسا گزرا ہے جب اس میں ایک تنگ دلی اور عربی فارسی لفظوں کی اندھی بھرمار سے ایک سستی اور اجنبیت پیدا ہو گئی تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ ذرا جلد ہی سنبھل گئی اب اس کی قوت اور زندگی اسی میں ہے کہ وہ جنتا کی بول چال سے اپنا رشتہ نہ توڑے اور مجھے یقین ہے کہ ہندی کے سچے سیوکوں اور پریمیوں کی آشا اور کوشش بھی یہی ہوگی کہ وہ بھی اس ڈگر پر چلے اور اس منزل کی طرف قدم اٹھائے۔ جوں جوں دلوں میں صفائی ہوگی زبان بھی صاف ہوتی چلی جائے گی کیونکہ اس کو کسی مصنوعی تحریک کے ذریعے یا سرکاری حکم سے نہ بدلا جا سکتا ہے نہ بگاڑا جا سکتا ہے نہ بنایا جا سکتا ہے۔ وہ تو لوگوں کی بول چال اور میل جول سے پیدا ہوتی ہے اور ان کے دلوں اور دماغوں کی چغلی کرتی ہے اور پھر ادیبوں اور شاعروں اور دوسرے لکھنے والوں کی محنت اور اخلاق اور کلاکار کی تپسیا سے اس میں تراش خراش آتی ہے اور اس کے طفیل وہ بنتی اور سنورتی اور رنگ روپ لاتی ہے۔ دنیا کے اتہاس میں زبانوں کی ترقی ہمیشہ اسی ڈھنگ سے ہوئی ہے ہم اس کے خلاف نہیں جا سکتے۔ ہمارے لئے یہ مسئلہ صرف زبان کا نہیں بلکہ ملک کی ایکتا اور قوم کی زندگی اور موت کا ہے۔ دلوں کو ملانے کے لئے ایک ہی جیسی صاف اور شستہ زبان کی ضرورت ہے اور زبان کو بنانے کے لئے دلوں کے میل اور محبت کی۔ یہ مسئلہ ہمارے دیس کے سارے دوسرے سوالوں سے زیادہ اہم ہے۔ اگر ہم نے اپنے خیالات اور جذبات میں ایکتا اور ہم آہنگی پیدا نہیں کی۔ اگر ہم دیس کے لوگوں میں وہ نہیں لا سکے جس پر آئے دن پنڈت نہرو زور دیتے رہتے ہیں تو ملک کے بھوش کا وہ سندر نقشہ جس کا خواب ہمارے نیتا اور کوی اور مفکر دیکھتے آئے ہیں خطرہ میں پڑ جائے گا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ایکتا یہ وحدت کثرت کی گوناگونی میں پیدا کرنی ہے۔ ہم یہ نہیں کر سکتے کہ ۳۵ کروڑ لوگوں کے وچاروں اور الگ الگ طور طریقوں پر ایک سٹیم رولر چلا کر انھیں زبردستی ایک ہی سانچے میں ڈھال دیں وہ راستہ تو ڈکٹیٹرشپ کا راستہ ہے جس کو ہم نے کبھی سویکار نہیں کیا اور ہم کبھی سویکار نہیں کریں گے ہمیں اپنے دل و دماغ کے دریچے کھلے رکھنے ہیں تاکہ ان میں سارے سنسار کی حیات بخش کرنیں اور ہوائیں داخل ہو سکیں۔ جب کبھی ہم نے اپنے دیس کی اور پردیس کی اچھی چیزوں کا سواگت کیا ہے اور

انھیں کھلے دل سے اپنایا ہے۔ وہیں آگے کی طرف بڑھا ہے جب کبھی ہم نے ان دروازوں اور کھڑکیوں کو بند کر لیا ہے اور پانی کے بہاؤ میں زور نہیں رہا۔ قومی زندگی سست اور افسردہ اور پچھڑی ہوئی رہ گئی ہے۔ زبان کے معاملے میں بھی ہمیں اسی اصول کو اپنانا ہے جو لوگ اور سنستھائیں ہندی کے پرانتوں میں کام کر رہی ہیں انھیں خاص طور پر اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ دلوں کی گرہ محبت سے کھلتی ہے اس کو قینچی سے نہیں کاٹا جا سکتا اگر انھیں یہ یقین ہوگا کہ ہندی ایکتا اور پریم کی راج دوت بن کر آ رہی ہے وہ خوشی کے ساتھ اس کا سواگت کریں گے۔ اگر انھیں یہ اندیشہ ہوگا کہ وہ ایک عالم زبان بن کر دوسری زبانوں کا حق چھینا یا ان کی اُنتی میں روڑے اٹکانا چاہتی ہے تو وہ اس کا مقابلہ کریں گے۔ اس لئے اس معاملے میں صرف یہی کافی نہیں کہ آپ کی نیت صاف ہو بلکہ ان لوگوں کو بھی اطمینان دلانا ضروری ہے جن کے لئے آپ کام کر رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ دلوں کے میل کو اور بھید بھاؤ کے جذبے کو دور کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کی رگیں سرطان کی طرح قوم کے جسم کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔ لیکن اس کا علاج صرف ایک ہے اور وہ ہے انصاف کی پالیسی سب زبانوں کے ادھیکاروں کے ساتھ انصاف اور ان کو ہنسی خوشی کے ساتھ ان کا حق دینے کے لئے آمادگی۔

دنیا کے جتنے دشمن جھگڑے ہیں خواہ وہ کسی میدان میں ہوں ان سب کی بنیاد انیائے پر ہے۔ شاعر نے سچ کہا تھا کہ۔

"دل صاف ہو کس طرح کہ انصاف نہیں ہے۔ اور انصاف ہو کس طرح کہ دل صاف نہیں ہے" دلوں کو صاف کیجئے۔ کھوٹ کپٹ کو نکال ڈالئے انصاف کا دامن تھامئے اور پھر دیکھئے کہ کس طرح مشکلوں کے پہاڑ کائی بن جاتے ہیں۔

مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ہندی پرچار سبھا نے اتنے برسوں میں کبھی اس اصول کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا بلکہ یہاں دوسری زبانوں کی جو سنستھائیں ہیں ان کے ساتھ مل جل کر کام کیا ہے اور ایسی اسکیموں کو ہاتھ میں لیا ہے جن کے ذریعے یہ سب زبانیں ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہو سکتی ہیں اور ایک دوسرے کی دولت سے لابھ اٹھا سکتی ہیں۔ یہی راستہ شرافت، رواداری اور سمجھداری کا راستہ ہے۔ ورنہ زبان کی بنیاد پر اگر ملک میں بہت سے پاکستان بن گئے تو میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ اس کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیں گے ملک کے تمام ہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ اس اندیشے کی روک تھام کریں اور ان میں شامل رہیں صرف ہمارے سیاسی لیڈر بلکہ ہمارے ادیب اور شاعر اور سکولوں اور کالجوں کے ودیارتھی اور استاد اور سماج سیوک اور وہ سب لوگ جو اپنی تعلیم یا یونیورسٹی کی بدولت دوسروں کے خیال پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے جسے ہم سب کو مل جل کر جیتنا ہے۔

میں نے آج خاص طور پر ان ودیارتھیوں کو مخاطب کر کے کچھ نہیں کہا جنھوں نے آج سندیں لی ہیں۔ لیکن جو کچھ کہا ہے وہ دراصل انھیں کے لئے ہے۔ ہندوستان کا بھوشیہ اتنا ہی اچھا یا برا ہوگا جتنا اس کے ناگرک اچھے یا برے ہوں گے۔ اگر ان کے دماغ روشن اور دل وسیع ہیں اور وہ انصاف کی ریت پر چلیں گے تو دنیا کی کوئی طاقت ان کی ترقی کو نہیں روک سکتی۔ آپ لوگوں نے زبان کی سند لی ہے اس زبان کو دیس ملاپ کا ذریعہ بنائیے اور ہندی پرچار سبھا نے جو پالیسی اختیار کی ہے اس کو اپنائیے۔ یہی میری آشا ہے اور یہی میرا پیغام ہے

سوتی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں

اطہر پرویز پرنٹر پبلشر نے مسلم یونیورسٹی پریس میں چھپا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔